ابتدائیہ

محمد رحمت اللہ

ایمان پر استقامت کی ضرورت

موجودہ دور کو سائنس اور ٹکنالوجی کا دور کہا گیا ہے جس میں نت نئ ایجادات اور محیر العقول کارنامے انجام دیے جارہے ہیں۔انسانوں کا کام مشینوں سے لیا جارہا ہے۔مادی ماحول کی چکا چوند اور ظاہری آرائش وزیبائش نے حضرت اشرف المخلوقات یعنی انسان کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔انٹرنیٹ،سوشل میڈیا اور اس سے تعلق رکھنے والی نئ نئ چیزوں نے استعدادوں کو غیر معمولی طور پر متاثر کردیا ہے، یہاں تک کہ خالق کائنات کے بھیجے ہوئے خلیفہ یعنی مخلوقات کے سرکردہ ''اولاد آدم'' نے اپنے خالق حقیقی کو پہچاننا، اس سے تعلق قائم کرنا اور اس کے بھیجے ہوئے احکام کو عمل میں لانا تو دور کی بات ہے معلوم کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔جس کا نتیجہ ہے کہ زبردست ظاہری ترقی، عالیشان ایجادات اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے وسائل اور اسباب کے باوجود دنیا میں امن وامان، اطمینان وسکون، رحم وکرم اور ہمدردی و ایثار کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے اور اس کی جگہ شر وفساد، بے چینی و اضطراب، ظلم وستم اور جبر وزیادتی کا دور دورہ ہے۔اور ہر سنجیدہ اور انصاف پسند شخص حیرانی اور پریشانی کے عالم میں انگشت بدنداں ہے کہ یہ سب کیا ہورہا ہے۔

دنیا کی اتنی ترقیات ہوجانے کے بعد سکون واطمینان اور امن وعافیت کا ماحول پیدا ہوجانا چاہیے تھا۔حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہے۔ایسا کیوں؟ یہ اہم سوال ہے۔اس سوال کا جواب ظاہر ہے کہ ''اس دار الاسباب میں پیش آنے والے

احوال کا حقیقی سبب معلوم کرنے کے لئے اس کائنات کو بنانے والے مالک کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔پس جب اس کا سبب معلوم کرنے کے لئے خالق کائنات کے کلام سے رجوع کرتے ہیں'' تو وہاں واضح طور پر صاف الفاظ میں یہ پیغام موجود ہے۔:**ظهر الفساد في البر و البحر بما كسبت أيدى الناس.** (سورہ الروم آیت نمبر:۴۱) ترجمہ: لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا۔(توضیح القرآن)

اور یہی سب سے بڑی حقیقت ہے کہ اس دنیا کے حالات انسانوں کے اعمال کا نتیجہ ہیں اسی لئے اعمال کو درست رکھنے کے لئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کار اور ان کی ہدایات کو اپنانا لازمی ہوگا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کامل دین لے کر آئے ہیں اس لئے اس دین میں ہر کام کا طریقہ اس کے فوائد اور منافع نیز آنے والے اندیشوں اور رکاوٹوں میں ان کے حل کی پوری رہنمائی موجود ہے۔قرب قیامت کے اس دور میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات نیز رکاوٹوں کے باب میں بھی ان کی واضح ہدایات موجود ہیں اور اس بات کا انہوں نے اپنی پاک اور سچی مبارک زبان سے تذکرہ فرمایا ہے ان کا ارشاد ہے: **بادروا بالاعمال فتنا كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمنا ويمسى كافرا أو يمسى مؤمنا ويصبح كافرا.** (مشکوۃ شریف: کتاب الفتن) ترجمہ: اعمال صالحہ میں جلدی کرو قبل اس کے کہ وہ فتنے ظاہر ہوجائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں کے مانند ہوں گے آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر بن جائے گا۔اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا۔

اس سے بڑھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جزئیات کو بھی ذکر کیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے : **یوشک أن یأتی علی الناس زمان لایبقی من الاسلام الا اسمه ولایبقی من القرآن إلا رسمه۔**(مسلم شریف)

ترجمہ:عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا۔اور قرآن میں صرف اس کے نقوش باقی رہ جائیں گے۔

مزید آگے بڑھ کر لوگوں کے حالات یہ بیان فرمائے گئے کہ:**یقرؤون القرآن ولایجاوز حناجرهم.**(بخاری شریف)

ترجمہ: پڑھیں گے وہ قرآن ،مگر نہیں اترے گا وہ ان کے گلے سے ۔(تحفۃ القاری جلد:۱۰:ص:۵۵۷)

ایک جگہ ارشاد فرمایا **مساجدهم عامرة وهي خراب من الهدى.**(مسلم شریف)ترجمہ:ان کی مسجدیں (بظاہرتو) آباد ہوں گی مگر حقیقت میں یہ ہدایت سے خالی ہوں گی:۔

ہم نے یہ چند مثالیں بطور نمونہ ذکر کی ہیں۔اصل مقصود بیان یہ کرنا ہے کہ ظاہری ایجادات اور ترقیات کے ساتھ ہی ساتھ باطن وروح کی ترقی کمزور سے کمزور تر ہوتی جائے گی۔اب مسئلہ کا حل کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اب اس کے سواء کوئی چارہ نہیں کہ اللہ کی مخلوق اور ان میں خصوصاً اس خالق کو پہچاننے والے اور اس کو اپنا رب اور معبود تسلیم کرنے والے اس کے ساتھ اپنے ربط کو قوی سے قوی تر بنانے کی فکر کریں اور اس ربط وتعلق کو محفوظ کر کے اس کو ہر قسم کی باد مخالف اور مصنوعی دباؤ سے بچانے کی بھرپور کوشش کریں کہ یہی کامیابی کی ضمانت ہے اللہ تعالی توفیق عطا فرمائے۔

****

اسباق تفسیر

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں

اب سمجھئے کہ جن جرائم کی کوئی سزا قرآن وسنت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صواب دید پر رکھا ہے،ان سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے،اور جن جرائم کی سزائیں قرآن وسنت نے متعین کر دی ہیں وہ دو قسم پر ہیں، ایک وہ جن میں حق اللہ کو غالب قرار دیا گیا ہے ان کی سزا کو''حد'' کہا جاتا ہے جس کی جمع ''حدود'' ہے،دوسرے وہ جن میں حق العبد کو از روئے شرع غالب مانا گیا ہے، ان کی سزا کو''قصاص'' کہا جاتا ہے۔قرآن کریم نے حدود وقصاص کا بیان پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ خود دیا ہے،باقی تعزیری جرائم کی تفصیلات کو بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکام وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں،اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں،اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو تعزیر کہتے ہیں،سزا کی ان تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں، جو لوگ اپنے عرف عام کی بنا پر ہر جرم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آتے ہیں۔

****

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں، سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں، اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم و امیر کو ادنیٰ تغیر و تبدیل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے، اور نہ زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ کسی امیر و حاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے، شریعت اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں، ڈاکہ، چوری، زنا، تہمتِ زنا کی سزائیں، یہ سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں، پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح کل پانچ جرائم کی سزائیں معین ہوگئیں۔ جن کو ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم و امیر کم یا معاف نہیں کرسکتا، اسی طرح توبہ کر لینے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معافی نہیں ہوتی، ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہو کر وہاں کا کھاتہ بیباق ہوجاتا ہے۔ ان میں سے صرف ڈاکہ کی سزا میں ایک استثناء ہے، کہ ڈاکو اگر گرفتاری سے قبل توبہ کرے اور معاملات سے اس کی توبہ پر اطمینان ہوجائے تو بھی یہ حد ساقط ہوجائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، اس کے علاوہ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں، خواہ یہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں۔ تمام تعزیری جرائم میں حق کے موافق سفارشات سنی جاسکتی ہیں، حدود اللہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں۔ اور ان کا سننا بھی جائز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں، اور ان کے نفاذ کا قانون بھی سخت ہے، کہ ان

****

میں کسی کو کسی کمی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں، نہ کوئی ان کو معاف کرسکتا ہے، جہاں سزا اور قانون کی یہ سختی رکھی گئی ہے وہیں معاملہ کو معتدل کرنے کے لئے تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت جرم کے لئے شرطیں بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں۔ ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہوجاتی ہے۔ بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہوجاتی ہے، اسلام کا مسلم قانون اس میں یہ ہے کہ اَلْحُدُوْدُ تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ یعنی حدود کو ادنیٰ شبہ سے ساقط کردیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن صورتوں میں حد شرعی کسی شبہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہوجائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اس کو جرم پر اور جرأت پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسب حال اس کو تعزیری سزا دے گا، اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں، جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسداد جرائم کا مکمل انتظام ہے، فرض کیجئے کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے، اور گواہ عادل ثقہ ہیں جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہوسکتا، مگر ازروئے قانون شرع، چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی جاری نہیں ہوگی، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دیدی جائے، بلکہ حاکم وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہوگی، یا چوری کے ثبوت کے لئے جو شرائط مقرر ہیں ان میں کوئی کمی یا شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے اُس پر حد شرعی ہاتھ کاٹنے کی جاری نہیں ہوسکتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہوگیا، بلکہ اس کو دوسری تعزیری سزائیں حسبِ حال دی جائیں گی۔

****

قصاص کی سزا بھی حدود کی طرح قرآن میں متعین ہیں، کہ جان کے بدلہ میں جان لی جائے زخموں کے بدلہ میں مساوی زخم کی سزا دی جائے، لیکن فرق یہ ہے کہ حدود کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے، مگر صاحبِ حق انسان معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہ ہوگا، اور حد ساقط نہ ہوگی، مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کردے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہوگی، بخلاف قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حیثیت کو قرآن وسنت نے غالب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرم قتل ثابت ہوجانے کے بعد اس کو ولی مقتول کے حوالہ کردیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے، اور اس کو قتل کرادے، اور چاہے معاف کردے۔

اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے، یہ بات آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ حدود یا قصاص کے ساقط ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکم وقت تعزیری سزا جتنی اور جیسی مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اس لیے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرات بڑھ جائے گی، اور قتل کی واردات عام ہو جائیں گی، کیونکہ اس شخص کی جان لینا تو ولی مقتول کا حق تھا وہ اس نے معاف کردیا، لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے، وہ اس حق کے تحفظ کے لئے اس کو عمر قید کی یا دوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرہ کا انسداد کرسکتی ہے۔

یہاں تک شرعی سزاؤں حدود، قصاص، اور تعزیرات کی اصطلاحاتِ شرعیہ اور ان کے متعلق ضروری معلومات کا بیان ہوا، اب ان کے متعلق آیات کی تفسیر اور حدود کی تفصیل دیکھیں۔

****

اسباق حدیث

حدیث کے اصلاحی مضامین

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

دنیا بڑی شیریں اور سرسبز شاداب ہے

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ. فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ. فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَآءِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا بڑی شیریں، میٹھی اور سرسبز شاداب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو مال و دولت اور ثروت کے فوائد کے پیشِ نظر میٹھی اور سرسبز وشاداب سے تعبیر فرمارہے ہیں۔ دیکھنے میں بھی آدمی کا دل لبھاتی ہے، ہر آدمی اس کی طرف مائل ہوتا ہے، اسی کو (حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ) سے تعبیر کیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو

وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا اللہ تعالیٰ اس میں تم کو جانے والوں کا جانشین بنائے گا یعنی پہلے یہ دنیا جن کے ہاتھوں میں تھی، ان سے لے کر تم کو دے گا۔

****

پہلے جولوگ برسرِ اقتدار تھے، اللہ تعالیٰ وہ اقتدار ان سے لے کر تم کو دے گا اور تم کو ان کا جانشین بنائے گا فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ پھر اللہ تعالیٰ دیکھے گا اور تم کو آزمائے گا کہ تم اس میں کیا کرتے ہو؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتیں ہیں، چاہے حکومت واقتدار ہو، منصب وعہدہ ہو، دولت وثروت ہو، یہ سب نعمتیں اس لئے دی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دے کر آزماتا ہے کہ ان نعمتوں کے ملنے کے بعد یہ کیا کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کی پیروی کرتے ہیں یا نہیں؟ دولت وثروت میں پڑ کر اور عہدہ ومنصب اور حکومت واقتدار حاصل کرنے کے بعد کیا نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑنا شروع کرتے ہیں؟ گویا اللہ تعالیٰ تم کو یہ نعمتیں دے کر آزمائے گا۔

فَاتَّقُوْا الدُّنْيَا وَاتَّقُوْا النِّسَآءَ لہٰذا دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی ڈرتے رہیو۔

یعنی دنیا کی یہ دولت وثروت آوے تو اس کی وجہ سے اپنے ہوش وحواس مت کھو دینا، بلکہ اس دنیا کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایتیں دی گئیں ہیں اس کا اہتمام کرنا۔

خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی دو چیزیں

حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے روز مال کے متعلق سوال ہوگا مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ (ترمذی شریف، حدیث نمبر ۲۳۴۰) کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ یہی دو چیزی خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہیں۔ کمانے میں بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کو توڑا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق کماؤ، شریعت

سے ہٹ کر، جھوٹ بھول کر، دھوکہ دے کر نہیں بلکہ صحیح طریقہ سے کماؤ۔ اور جب مال صحیح طریقہ سے آجائے تو خرچ بھی اسی طرح کرو جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ مال آیا تو ہم اس کے مالک نہیں ہیں بلکہ امانت دار ہیں۔

عورت بڑی آزمائش کی چیز

اور عورتوں سے بھی ڈریو۔ اس لئے کہ یہ بھی راہِ راست سے ہٹانے والی اور گمراہ کرنے والی چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے تھا۔ یہ عورت بھی بڑی آزمائش کی چیز ہے۔ اس لئے کہ عورتوں سے خلط ملط اور ان کے ساتھ بے محابہ ملنا، بے پردگی سے ان کے پاس آنا جانا یا شریعت کے بتلائے ہوئے اصول وحدود سے ہٹ کر ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنا، یہ سب فتنہ میں ڈالنے والی چیزیں ہیں۔ اس سلسلے میں شریعت نے جو ہدایتیں دیں ہیں، مثلاً اجنبی عورتوں کی طرف سے نگاہوں کو نیچی رکھا جائے، ان کے ساتھ بلاضرورت گفتگو نہ کی جائے، بوقت ضرورت گفتگو کی نوبت آوے تو شریعت نے جو اصول مقرر کئے ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے بات چیت کی جائے، کوئی چیز مانگی جائے تو پردہ کی آڑ میں سے مانگی جائے، عورت بھی ایسے موقع پر آواز کو نرم نہ کرے بلکہ سخت رکھے، گھر سے باہر نہ نکلے، مطلب یہ ہے کہ ان سارے اصول وحدود کا لحاظ رکھا جائے گا، تب ہی اس کے فتنہ سے آدمی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ اور جہاں آدمی نے ذرا چھوٹ چھاٹ لے لی اور اس کے سلسلے میں ذرا بھی بے پروائی سے کام لیا، تو آدمی فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

****

امام العصر محدِّث زماں حضرت علاّمہ مولانا

سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ

از: حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

جامعہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات

سال اوّل:

جامعہ ڈابھیل کے پہلے سال میں آپ کو ’’بخاری شریف‘‘ کا درس سونپا گیا تھا۔ درس میں بہت سے وہ حضرات بھی تھے جو کسی مدرسے کے اونچے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے؛ مگر یہاں شاہ صاحب سے استفادے کی غرض سے تشریف لے آئے تھے۔ ابھی آپ نے اپنا سلسلۂ تدریس شروع ہی کیا تھا اور ٹھیک سے دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ گجرات کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے شدید بیمار ہوگئے تھے۔ تبدیلی آب وہوا اور علاج کی غرض سے محرم سنہ ۱۳۴۷ھ کے اواخر میں دیوبند تشریف لے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ درس حدیث کا یہ نورانی سلسلہ تھم گیا، تعلیم کا نقصان ہونے لگا، تو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کو درخواست بھیج کر بلا لیا گیا اور آپ نے حضرت شاہ صاحب کی جگہ بخاری شریف کا درس شروع کر دیا۔

حدیث کی تدریس جاری تھی، کہ اسی دوران کسی اہم کام کی بنا پر مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کو دیوبند جانا پڑا۔ ازل کا فیصلہ دیکھیے کہ مفتی صاحب کے دیوبند جاتے ہی اُن پر فالج کا حملہ ہوگیا اور چند ماہ علیل رہ کر ۱۲؍ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۴۷ھ بہ روز جمعہ، آپ اپنے خالقِ

حقیقی کی دعوت پر دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اس کے بعد غالباً جمادی الاخریٰ کے اواخر میں شاہ صاحب دوبارہ تشریف لے آئے۔

اسی سال یعنی سنہ ۱۳۴۷ھ کے شعبان کی دسویں تاریخ کو جامعہ کی طرف سے دستارِ فضیلت کا جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں شاہ صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنے دستِ بابرکت سے فارغ ہونے والے طلبہ کے سر پر عمامہ باندھا اور سند تقسیم کی۔ جامعہ کی روداد (سنہ ۱۳۴۷ھ) میں لکھا ہے کہ:

’’جامعہ کے شیخ الحدیث انور شاہ صاحب نے قرآن پاک اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں سامعین کو علمِ دین کی ضرورت سے آگاہ فرمایا‘‘۔

اس جلسے کا کچھ حال مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی زید مجدہٗ نے حضرت مولانا عبد القدوس لاجپوری (۱۳۳۰ھ ۱۴۲۶ھ) سے، جو اس جلسے میں شریک تھے، نقل کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

علاّمہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں محدثانہ رنگ غالب ہوتا تھا۔ شاہ صاحبؒ ظاہری و باطنی حسنِ صورت و سیرت کا مرقع تھے، اس پہلے جلسے میں جہاں اور بہت سے لوگوں نے شرکت کی، وہیں سورت کے بڑے بڑے بدعتی حضرات بھی موجود تھے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد وہ بدعتی حضرات طلبہ کے سامنے اظہار ندامت کے ساتھ کہنے لگے کہ: ’’واقعتاً ہم بڑی غلطی پر تھے کہ علمائے دیوبند کو آج تک برا بھلا کہا‘‘۔ شاہ صاحب سے متعلق یہ اعتراف بھی انہوں نے کیا کہ: ایسا معصوم چہرہ اور فرشتہ صفت انسان ایسا نہیں ہوسکتا، یہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کر سکتے‘‘۔ بعد میں ان حضرات نے بدعت سے توبہ کر لی اور شاہ صاحب کے معتقدین میں شامل ہو کر اپنی

جماعت سے کنارہ کش ہوگئے۔

سالِ دوم وسوم:

اس کے بعد دوسرے اور تیسرے سال بھی درس وتدریس کا سلسلہ حسبِ دستور جاری رہا۔ البتہ تیسرے سال یعنی سنہ ۱۳۴۹ھ میں اہل برما کی دلی خواہش اور اراکینِ جمعیۃ العلماء برما (رنگون) کے اصرار پر آپ نے مع اکابرِ جامعہ ''برما'' کا تبلیغی سفر بھی کیا اور اپنے مواعظ پراثر سے اسلام کی اشاعت، حصولِ علم اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرنے کی طرف اہل برما کو متوجہ فرمایا۔ نیز اس سفر سے جامعہ کو بھی بہت بڑا مالی فائدہ حاصل ہوا۔ مولانا انظر شاہ مسعودیؒ نے اِس سفر سے واپسی کے بعد کا حال بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب کے متعلق ایک عجیب بات ذکر کی ہے کہ جو ہم سب کے لئے نمونۂ سبق اور عبرت انگیز ہے، فرماتے ہیں کہ:

پندرہ روز سے زائد قیام فرما کر وعظ ونصیحت اور تبلیغ وتذکیر کا اہم کام انجام دینے کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے لئے ایک خطیر رقم وصول کی جو جامعہ اسلامیہ کی بہ براہِ راست ایک نمایاں خدمت تھی، وہاں سے واپسی پر جامعہ کا پیش کردہ مشاہرہ یہ کہہ کر واپس کردیا کہ: ''میں اس زمانے میں رخصت پر رہا، اس مشاہرے کو لینے کا کوئی شرعی جواز نہیں''۔ جامعہ کے بزرگ صورت وسیرت مہتمم مولانا احمد بزرگ نے مشاہرہ لینے پر اصرار کرتے ہوئے عرض کیا کہ: آپ نے درسگاہ کے لئے تحصیلِ زر کی خدمت انجام دی ہے۔ اس لئے یہ مشاہرہ قبول فرما کر ہمیں ممنون فرمائیں۔ (اس کے جواب میں شاہ صاحبؒ نے) فرمایا کہ: ''یہ کام حسبۃً للہ تھا، اس کا کوئی معاوضہ نہیں۔''

اسی رنگون کا ایک واقعہ اور بھی قابل ذکر ہے۔ جسے مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی نے بیان

کیا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ:

جب آپ واپس ڈابھیل تشریف لائے مدرسے کے ہر استاذ کو ایک معقول رقم کے ساتھ ان ہدایا میں شریک کیا جو رنگون سے آپ کو پیش کئے گئے تھے۔ مدینہ منورہ کی وہ صبح راقم الحروف کو کبھی بھولتی نہیں جب حرمِ اقدس کے جوار میں یہ نیم جان مہاجر (مراد مولانا بدرِ عالم صاحب) واردین وصادرین کے ہجوم میں اپنے استاذ کی کتابِ زندگی کے اوراق الٹتا ہوا اس واقعہ کو دہرا رہا تھا تو اس کا عبرت پذیر دل اچانک آنکھوں کی راہ سے بہنے لگا، وہ ایک خاص جذبے کے ساتھ بسترِ مرگ پر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور فضا میں انگشت شہادت کو حرکت دیتے ہوئے نعرہ زن ہوا کہ:

''دنیا حضرت شاہ صاحب کے علم سے متأثر ہے، کوئی ان کے وسعتِ مطالعہ کا قائل، کسی پر ان کی بے نظیر قوّت حافظہ کا اثر، اور کوئی ان کی تبحر علمی کا معتقد؛ یہ سب کچھ ہے، لیکن میرا دل ودماغ ان کی زندگی کے اِس خاص رُخ سے متأثر ہے، علمائے وقت میں ان اجاگر پہلوؤں کی مثال نہیں ملتی''۔

سالِ چہارم:

جامعہ میں شاہ صاحب کی تدریسی خدمات کا چوتھا سال شروع ہوا، تو اس سال دو بنیادی اور اہم کام شاہ صاحب کی وساطت سے انجام پائے۔

پہلا کام تو یہ ہوا کہ جامعہ کی قدیم عمارت ____ جس کا سنگِ بنیاد حضرت تھانویؒ کے ہاتھوں سنہ ۱۳۳۹ھ میں رکھا گیا تھا ____ جامعہ کی روز افزوں ترقی کے باعث ناکافی ثابت ہونے لگی تو سنہ ۱۳۵۰ھ میں اکابرِ جامعہ کے ہاتھوں، احاطۂ جامعہ کی

شرقی جانب ایک نئی عمارت کا جو کتب خانہ، دفترِ اہتمام اور مہمان خانے پر مشتمل تھی سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

جس کی پہلی اینٹ شاہ صاحب نے رکھی تھی، اور اسی وجہ سے اس عمارت کا نام ''انوری بلڈنگ'' مشہور ہوا، جس کا اب نیا نام دارِ''انور'' رکھا گیا ہے۔

دوسرا عظیم الشان کام جو شاہ صاحب کے زیرِ سایہ وجود میں آیا، وہ جامعہ ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کا ایک تاب ناک باب تھا۔ چونکہ علم کے رسیا اور تحقیق کے شناور جہاں جاتے ہیں اپنے جذبۂ علم کی حرارت کو کبھی ٹھنڈا ہونے نہیں دیتے، بلکہ اس کی آگ کو ہردم فروزاں رکھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کا قافلہ جب دیوبند سے ڈابھیل آیا تو اپنے ساتھ علمی وتحقیقی ذوق بھی اپنے دامنِ علم میں ساتھ لایا، اور اِسی ذوق کی تسکین اور دولتِ علمی کی ترقی کے لئے شاہ صاحبؒ کی دیرینہ خواہش پر، اُن کے اعزاز میں بہ طورِ ہدیۂ نیاز، ان ہی کی سرپرستی میں مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی ثم افریقی نے ''مجلسِ علمی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا۔ یہی وہ ادارہ ہے جہاں سے شاہ صاحبؒ کے حسبِ ذیل متعدد تحقیقی رسالے اہلِ علم کے لئے منظرِ عام پر آئے:

(۱) كَشفُ السِّترِ عَنْ صَلَاةِ الْوِتْرِ (۲) إِكْفارُ الْمُلحِدِيْنَ

(۳) نَيْلُ الْفَرْقَدَيْنِ فِيْ مَسْأَلَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ (٤) بَسْطُ الْيَدَيْنِ لِنَيْلِ الْفَرْقَدَيْنِ

(۵) عَقِيْدَةُ الْإِسْلَامِ فِيْ حَيَاةِ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ

(٦) تَحِيَّةُ الْإِسْلَامِ فِيْ حَيَاةِ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ

(۷) مُشْكِلَاتُ الْقُرْآنِ (۸) مِرْقَاةُ الطَّارِمِ لِحُدُوْثِ الْعَالَمِ

(۹) خاتم النّبیین (فارسی)

****

یہ تو وہ کتابیں ہیں جو خود شاہ صاحبؒ کے خامۂ گہر بار سے نکلی ہیں۔ مجلسِ علمی نے شاہ صاحبؒ کی تحریک وایما پر اِن کے علاوہ دیگر اہلِ علم کی کتابیں بھی شائع کروائیں، جن میں بعض کتابیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہیں اور بعض خود شاہ صاحب کے شاگردوں کی بھی ہیں۔

ایک بات جو سب سے زیادہ مشہور ہے وہ تو نوکِ قلم پر آئی ہی نہیں، در اصل شدّت ظہور بسا اوقات خفا کا سبب بن جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تقریرِ بخاری جو طبقۂ اہلِ علم وتحقیق میں محتاجِ تعارف نہیں؛ اِسے آپ کے ایک شاگرد، عاشق زار، مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے اپنی دس سالہ کڑی محنت و مشقت اور عرق ریزی کے بعد سنہ ۱۳۵۳ھ وسنہ ۱۳۵۴ھ میں جامعہ ڈابھیل ہی میں مرتّب کیا، اور اس دوران انہوں نے اُس پر ''البدر الساری'' نامی نفیس حاشیے کا اضافہ بھی فرمایا، اور پھر اس کے بعد سنہ ۱۳۵۸ھ میں اِسی مجلسِ علمی نے ___ جس کا ذکر چل رہا ہے ___ بڑے آب وتاب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کروایا۔

سالِ پنجم:

اب آپ کی جامعہ میں تشریف آوری کا پانچواں سال یعنی سنہ ۱۳۵۱ھ شروع ہوتا ہے، اب کے برس بھی شاہ صاحب اپنی بواسیر جیسی مہلک بیماری میں ابتلا کے باوجود تدریسی خدمات میں مصروفِ عمل رہے۔ حسبِ دستور سالانہ جلسہ بھی ہوا اور شاہ صاحب نے اُس جلسے میں طویل وعظ فرمایا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس سال سنہ ۱۳۵۱ھ اور پچھلے سال سنہ ۱۳۵۰ھ اور دونوں سالوں کے سالانہ اجلاس میں شاہ صاحب کی تقریر کا موضوع ___ حسبِ بیانِ رودادِ جامعہ

****

___ ایک ہی تھا اور وہ تھا ''سفرِ آخرت''۔ دونوں سال آپ نے اسی ایک موضوع پر نہایت مبسوط تقریر فرمائی، جس کے ذیل میں اپنے خاص طرز میں تمثیلات وتشبیہات کے سہارے بہت سے مسائلِ علمیہ پر بے نظیر اور محققانہ تبصرہ فرمایا۔

گرامی نامہ برائے رخصت اور سانحۂ ارتحال

آپ کا اب تک (یعنی سنہ ۱۳۵۱ھ تک) جامعہ میں رہ کر اپنی علمی خدمات کا سلسلہ جاری تھا؛ مگر اس دوران آپ کا دیوبند آنا جانا لگا رہتا تھا؛ کیوں کہ دار العلوم سے علاحدگی اختیار کر لینے کے باوجود وطنیتِ دیوبند کو آپ کسی بھی حالت میں ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے، آپ کا دولت خانہ دیوبند میں تھا اور دیوبند ہی رہا۔ اس سال بھی جلسۂ دستار بندی کے بعد آپ دیوبند تشریف لے گئے اور پھر ۳؍شوال سنہ ۱۳۵۱ھ کو آپ نے دیوبند سے بہ زبانِ فارسی جامعہ کے مہتمم مولانا احمد بزرگ صاحبؒ کے نام گرامی نامہ ارسال فرمایا، جس میں خونی بواسیر میں تخفیف نہ ہونے اور ایک سال کی رخصت کا ذکر ہے، گرامی نامہ ملنے پر مہتمم صاحب اور دیگر بہی خواہانِ جامعہ نے شاہ صاحب کو خطوط لکھے اور ڈابھیل تشریف لانے کی درخواست کی۔ جواب میں آپ نے ۱۲؍شوال سنہ ۱۳۵۱ھ کو اپنے خادمِ خاص مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈھوی کی وساطت سے والا نامہ تحریر کروایا جس میں اہلِ جامعہ کی عنایتوں کا ذکر خیر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی صحت و ہمت کا عذر پیش کیا، ساتھ میں آپ نے کچھ عرصے بعد اہلِ جامعہ سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر فرمائی۔

شاہ صاحبؒ کے اس گرامی نامے سے اہلِ جامعہ کی بے چینی میں کچھ کمی تو آئی؛ مگر شاہ صاحب کو خطوط لکھنے اور مہتمم صاحب کے آپ کی خدمت میں دیوبند تشریف لے جانے کا اصل منشا یہ تھا کہ شاہ صاحب کسی بھی طرح جامعہ تشریف لے آئیں؛ کیوں کہ آپ کا وجود مسعود ہی سراپا خیر و برکت ہے۔ آگے کی تفصیل حضرت مولانا احمد بزرگ

صاحب مہتمم جامعہ کی زبانی ذکر کی جارہی ہے؛ تاکہ موضوع پر روشنی گہری پڑ سکے:

''(دیوبند حضرت کی خدمت میں جا کر) عرض کیا کہ: بحالیِ صحت تک ترکِ درس کی رائے نہایت درست اور ضروری ہے؛ لیکن ہم صرف اس قدر چاہتے ہیں کہ جنابِ والا حسبِ معمول جامعہ میں قیام فرمایا کریں اور خدام فیضِ صحبت سے محروم نہ ہوں، درسِ حدیث شریف کی خدمت کسی دوسرے کے سپرد کر دی جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب ___ قدس سرہ ___ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ''میں اس صورت میں جامعہ سے تنخواہ نہیں لوں گا''۔ اس پر خاکسار مہتمم نے جناب سیٹھ حاجی موسیٰ میاں صاحب اور جناب سیٹھ حاجی یوسف گارڈی صاحب کی طرف سے یہ تجویز پیش کی کہ: وہ آپ کی خدمت میں بہ طور خود پیش کش کیا کریں گے اور اس کو حضرتؒ نے خاکسار کے اصرار پر قبول فرمالیا۔ اس کے بعد حضرت نے افاقہ ہونے پر جلد ڈابھیل تشریف لانے کا عزم فرمایا تھا؛ لیکن بجنور اور لاہور و امرتسر وغیرہ کے ضروری سفر در پیش آگئے اور ان سے واپس ہو کر حضرتؒ پھر سخت علیل ہو گئے، کچھ عرصہ بعد افاقہ ہوا تو موسمِ گرما شروع ہو چکا تھا اور چونکہ حضرت والد ماجد دام ظلہ سے ملاقات کو دو سال گزر چکے تھے، ان کا اور برادران و دیگر عزیزانِ کشمیر کا بہت زیادہ اصرار ہوا کہ اس موقع پر کشمیر تشریف لائیں، اس لیے حضرتؒ نے قصد فرمایا کہ موسمِ گرما کشمیر گزار کر ڈابھیل تشریف لائیں گے۔ ابھی امروز و فردا میں روانگیِ کشمیر کا عزم ہی فرما رہے تھے کہ پیکِ اجل آ پہنچا اور حضرت ۳؍صفر سنہ ۱۳۵۲ھ دوشنبہ کی شب میں عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت فرما ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

آخری لمحات، نمازِ جنازہ اور تدفین

یہ کوئی ۲؍صفر المظفر سنہ ۱۳۵۲ھ کا دن تھا، عصر سے کچھ پہلے حضرت شاہ صاحب

قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، خون بڑی مقدار میں جسم سے خارج ہوگیا۔
عصر کے بعد طلبۂ دارالعلوم دیوبند کا ایک ہجوم اور مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب نوراللہ مرقدہ مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے۔ مرض کی شدّت اور ضعف و نقاہت کے باوجود مہتمم صاحب سے ملاقات کی اور حسبِ معمول چائے مٹھائی سے تواضع فرمائی، اور ساتھ میں حضرت مہتمم صاحب کے بعض علمی سوالات کے جوابات بھی پوری بشاشت کے ساتھ عنایت فرمائے، اس کے بعد عیادت کنندگان قریب ہی کی مسجد میں مغرب کی نماز کے لئے چلے گئے، اور آپؒ نے چارپائی پر ہی مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

اس دوران بیماری کی شدت بڑھتی رہی، بلکہ مغرب کے بعد سے تو نزع کی کیفیات طاری ہوگئیں؛ لیکن سلامتیِ ہوش وحواس اور تیقظ تمام کی وجہ سے طبیبِ حاذق کو بھی اس کیفیت پر نزع کا شبہ نہ ہوسکا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، بے چینی مزید بڑھتی چلی جارہی تھی، وقفے وقفے سے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ایک قریبی عزیز محمد سعید سے یہ کہتے ہوئے کہ ''بھائی سعید پانی پلاؤ'' بڑے مضطربانہ لہجے میں پانی طلب فرماتے، چند گھونٹ پیتے اور اسی پانی میں انگلی تر فرما کر کبھی چہرے پر اور کبھی سینے پر ملتے، زبان پر ((حسبنا اللہ)) کا ورد جاری رہتا۔ الغرض! بڑی بے تابی اور بے قراری کا عالم طاری تھا، اور اسی مضطربانہ کیفیات کے ساتھ یہ بھیانک لمحے گزر رہے تھے۔

دیوار پر آویزاں گھڑی نے جیسے ہی بارہ بجائے، شاہ صاحب ایک عجیب سی کیفیت کے ساتھ پلنگ پر اٹھ بیٹھے، ''بھائی مجھے پانی پلاؤ''، کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس کو ہونٹوں تک پہنچایا۔ ابتداء میں ((حسبنا اللہ)) اور خاتمہ کلمۂ توحید کے پاکیزہ ورد پر فرما کر، خود ہی چارپائی پر قبلہ رخ ہوگئے۔ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ پیشانی پسینہ آلود ہے

اور آپ ساکت وصامت لیٹے ہوئے ہیں۔ پھر کیا تھا! دنیا تاریک ہوگئی، روشنی گل ہوگئی، علم وکمال کا آفتاب غروب ہوگیا اور رُشد وہدایت کا چراغ کبھی نہ جلنے کے لئے بجھ گیا۔
یہ ۲؍صفر سنہ ۱۳۵۲ھ اتوار کا دن ختم ہوکر ۳؍صفر شبِ پیر تھی اور تقریباً نصف شب کے وقت (مطابق ۲۹؍مئی سنہ ۱۹۳۳ء) یہ عظیم سانحہ پیش آیا۔
اگلے ہی دن غسل وکفن دے کر اس بحرالعلوم اور کوہِ ہمالیہ کے جنازے کو لے جایا گیا۔ اُس دل دوز منظر کی منظر کشی ذرا مولانا انظر شاہ کشمیری کے قلم سے پڑھیے!

''ظہر کی نماز کے بعد جنازہ کو گھر سے لے جانے کی تیاری ہوئی، ہجوم کی بنا پر اور ہر شخص کے اس والہانہ شوق کو دیکھ کر جنازے کو ہاتھ لگ جائے؛ جنازے میں بانسوں کی بڑی بڑی بلیاں باندھ دی گئی تھیں۔ اس اہتمام کے باوجود سیکڑوں کاندھا دینے کی سعادت سے محروم رہے اور کثیر تعداد نے اپنے ہاتھوں میں موجود رومالوں کو جنازے سے چھوکر یہ آخری سعادت حاصل کی۔ ظہر کی نماز کے بعد امام الحدیث کا جنازہ اسی دارالعلوم کے وسیع ترین صحن میں لاکر رکھ دیا گیا جس کے چمن زار کا یہ ایک شاداب پھول تھا اور جس کی چمن بندی کے لئے اس باغباں نے اپنی حیاتِ مستعار کا نصف حصّہ صرف کیا تھا۔
طلبہ کی آنکھوں نے اس پیکرِ علم کو سبز پوشاک میں ملبوس دارالعلوم کے احاطے اور اس کی روِشوں پر مصروف خرام دیکھا تھا، یہاں کے در و دیوار نے ''قال اللہ و قال الرسول'' کے اس شہید کی نوا سنجی گوشِ ہوش سے سنی تھی، آج سینکڑوں انسان سفید پوش میت کو اسی دبستانِ علم کے صحن میں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے مواج سمندر کی سطح ٹھہر گئی ہو۔ یہ منظر کتنا دل دوز اور بھیانک تھا کہ جب مجمع کی کثرت کی بنا پر نودرہ کی عمارت کو ناکافی سمجھتے ہوئے تحتانی دارالحدیث کے تمام دروازے کھول کر جنازہ اس درس گاہ میں لاکر رکھ دیا گیا جہاں سالہا سال صحیح بخاری کے صحیفہ کو اس کوہِ علم نے طلبہ کو سمجھایا تھا، نصف صدی کی اس

اندوہ ناک تاریخ پر انسانوں کا ہجوم نہیں، بلکہ در و دیوار بھی آہ وفغاں کر رہے تھے۔''

اس کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک زاہد مرتاض رفیق شفیق میاں اصغر حسین صاحب (م ۱۳۶۴ھ) نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور پھر آپ کی وصیت اور دیرینہ خواہش کے مطابق دیوبند کی عیدگاہ کے قریب بیر کے ایک باغ میں سپردِ خاک کردیا گیا، جو آج ''مزارِ انوری'' کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کی وفات کے چند روز بعد لوحِ مزار تیار کروایا گیا، جس میں مضمون حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا اور کتابت مشہور خطاط محمد یوسف دہلویؒ کی ہے۔

لوحِ مزار کا مضمون یہ ہے:

''مرقدِ مبارک ومنور حضرت رئیس الحکماء والمتکلمین، خاتم الفقہاء والمحدثین، شیخ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ، کہ بتاریخ ۳؍صفر ۱۳۵۲ھ بوقتِ نصف شب از دار الفنا بسوئے دار البقا رحلت فرمود''۔

سانحہ کی خبر ڈابھیل کی سرزمین پر

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کی وفات دیر رات گئے ہوئی تھی، اُس زمانے میں دیوبند کے پوسٹ آفس میں رات کے وقت تار دینے کا نظم نہیں تھا، بلکہ اوقاتِ شب میں دیوبند کے اسٹیشن سے ٹیلی گرام دیا جاتا تھا۔ اس لئے وہیں سے اطراف واکناف اور دور دراز علاقوں میں تار روانہ کردئے گئے۔ اگلے ہی دن یعنی ۳؍صفر سنہ ۱۳۵۲ھ، مطابق ۲۹؍مئی سنہ ۱۹۳۳ء کو تقریباً دوپہر ایک بجے مولانا حکیم سیّد محفوظ علی صاحب کا دیوبند سے تار آیا جس میں علامۂ زماں، امام دوراں، فقیہِ کامل، مفسرِ بے مثل، محدثِ لاثانی مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کی وفات کی روح فرسا خبر دی گئی تھی۔

یہ خبر خرمنِ ہوش حواس پر بجلی بن کر گری، گرچہ عرصے سے آپ کے متعلق متوحش

خبریں موصول ہو رہی تھیں، مگر اس انتہائی خبر کو سننے کے لئے اربابِ جامعہ بالکل تیار نہ تھے جو اچانک اور دفعتاً سامنے آگئی اور جس نے تمام اہل جامعہ اسلامیہ کو حزن وملال کے سمندر میں غرق کردیا، سب کی نظروں میں ''موت العالم موت العالَم'' کا نقشہ سما گیا اور ہر شخص غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا گریہ بکا میں مصروف اور ہوش وحواس باختہ نظر آتا تھا۔ چونکہ وفات کے وقت آپ کا بہ حیثیت صدر المدرسین جامعہ ڈابھیل سے تعلق تھا۔ اس لئے اس ادارہ کا سب سے زیادہ متأثر ہونا قدرتی امر تھا، انتقال کی خبر ملتے ہی پورا خطۂ ڈابھیل ماتم کدہ بن گیا۔

جامعہ تین روز تک بند رہا اور صبح وشام تمام طلبہ ومدرسین، دار الحدیث اور دوسری درس گاہوں میں جمع ہوکر قرآن خوانی اور کلمۂ طیبہ کے ختم میں مصروف رہے۔ ایک سو سے زیادہ ختم کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور ایصالِ ثواب کا سلسلہ اس کے بعد بھی جاری ہے۔

۳۰؍مئی کو عصر کے وقت دعاء کیلئے مقیمین جامعہ واہلِ بستی کا اجتماع ہوا، دعا کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مدظلہ نے مختصر الفاظ میں حضرت کے کچھ مناقب بیان فرمائے جس پر تمام مجمع ہچکیوں سے رو رہا تھا، اور بعض طلبہ بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ یہ جلسہ صرف دعاء کے لئے تھا۔ جلسۂ تعزیت کے لئے ۲؍جون روزِ جمعہ مقرر کیا گیا؛ تاکہ قریب کی بستیوں کے لوگ بھی شریک ہوسکیں، اسی روز جامعہ کے اکثر مدرّسین و اراکان واہلِ ڈابھیل وسملک نے مولانا حکیم محفوظ علی صاحب مدظلہ کو دیوبند اور حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا سید معظم شاہ صاحب مدظلہ العالی کو کشمیر تعزیتی تار ارسال کئے اور اظہارِ ہمدردی وشرکتِ غم کے خطوط بھی کثیر تعداد میں بھیجے گئے۔

جامعہ ڈابھیل کے منتظمین کی طرف سے آپؒ کے والد ماجد مولانا معظّم شاہ

صاحبؒ کی خدمت میں جو تعزیتی تار ارسال کیا گیا تھا، اس کے جواب میں موصوف محترم نے ایک خط تحریر فرمایا جس میں دیگر رقت آمیز کلمات کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ:

’’میں ہمیشہ اس آرزو میں تھا کہ حضرت مرحوم میرا جنازہ پڑھائیں گے اور وقتاً فوقتاً فاتحہ سے یاد فرماتے رہیں گے، افسوس کہ خاکسار کی یہ تمنا بھی پوری نہ ہوسکی اور یہ بد قسمت دن دیکھنا پڑا۔‘‘

۲/ جون کو بعد نمازِ جمعہ جلسۂ تعزیت دار الحدیث کے وسیع ہال میں زیرِ صدارت حضرت العلّامہ مولانا شبیر احمد صاحب (عثمانی) مدظلہ منعقد ہوا۔ راندیر، سورت، کفلیہ وغیرہ کے بہت سے معزّز حضرات نے شرکت کی۔ پہلے مدرّسین وطلبہ جامعہ نے عربی، فارسی، اردو کے متعدد مرثیے پڑھے، جن سے مجمع غیر معمولی طور پر متأثر تھا۔ اس کے بعد مولانا شبیر احمد صاحب مدظلہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے؛ لیکن فرطِ الم کے باعث دیر تک اشک بار رہے، آواز بھرا گئی اور حضرت مولانا کو ــــ جو اس وقت مجسمۂ غم واندوہ بن کر مجمع کے سامنے کھڑے تھے ــــ اشک بار دیکھ کر تمام مجمع بے اختیار زار وقطار رونے لگا۔ درحقیقت غم والم کا ایسا دل گیر مظاہرہ نہ کبھی پہلے دیکھا تھا نہ آئندہ دیکھنے کی توقع، اور گریہ وبکا کا ایسا رقّت خیز اور دردانگیز منظر شاید کبھی بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔

مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے بہ قول:

’’جب جلسۂ تعزیت (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے) دار الحدیث میں منعقد ہوا تو مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے کہ طلبہ، اساتذہ اور اہل قصبہ کا پورا مجمع حضرت شاہ صاحب کی وفات پر گریہ وبکا میں مصروف تھا اور خود حضرت مولانا عثمانیؒ نے جب تقریر شروع فرمائی تو وہ بھی تحمل نہ فرما سکے اور فرطِ گریہ سے کچھ دیر کیلئے رکے اور چند لمحوں کے لئے تقریر بند کرنی پڑی۔‘‘

اس کے بعد حضرت مولانا مدظلہ نے ایک مبسوط تقریر فرمائی جس کا اقتباس قارئین کرام کی بصیرت افزائی کے لئے درجِ ذیل نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ:

حضرت شاہ صاحب کی خبر وفات سننے کے بعد محسوس ہو رہا تھا کہ تمام علمی دنیا تاریک ہوگئی ہے۔ اور آپ کی وفات سے درحقیقت پڑھنے والے طلباء یتیم نہیں ہوئے، ان کو پڑھانے والے اور میسر ہو جائیں گے؛ بلکہ پڑھانے والے اساتذہ اور استفادہ کرنے والے علماء یتیم ہوگئے ہیں؛ کیوں کہ اب ہماری مشکلاتِ قرآن وحدیث وغیرہ کو حل کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا۔

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:

بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں نے کسی قرآن حدیث کی مشکل کو حل کرنے کے لیے ۱۵_۱۵ اور ۲۰_۲۰ یوم تک متقدمین کی تمام کتابوں کا بغور مطالعہ کیا؛ لیکن جب اس پر بھی شفاء تسکینِ قلب نہ ہوئی تو حضرت شاہ صاحب سے مراجعت کی اور آپ نے اپنے جامع ومختصر الفاظ سے جواب مرحمت فرما کر مطمئن کر دیا، یا کسی کتاب کا حوالہ دیدیا کہ اس مشکل کا حل فلاں کتاب کے مطالعہ سے ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

دقیق سے دقیق اور مشکل سے مشکل مسائل آپ سے دریافت کئے جاتے تھے اور آپ ان کو نہایت مختصر اور سادے الفاظ میں بے تکلف حل فرما دیتے تھے، گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام اشکالات ودقائق حل کو کر کے آپ کبھی کے فارغ ہو چکے ہیں، ایسا وسیع اور محیط علم تھا کہ سارے جوانب واطراف پر نظر ہوتی تھی۔

درحقیقت آپ کی وفات سے دین کا ایک بہت بڑا استون مہندم ہوگیا ہے اور نہ صرف ہندوستان کو، بلکہ تمام عالمِ انسانی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے متعلق عام طور پر لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ آپ کی

قوّتِ حافظہ، کثرتِ مطالعہ اور وسعتِ نظر بے نظیر تھی؛ لیکن میرے نزدیک حضرت کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ آپ ہر علم وفن کے مسائل کی ارواح پر مطلع تھے، اور یہی حقیقتاً علم کی انتہائی معراج ہے۔

مجھ سے اگر مصر وشام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین ابنِ دقیق العید اور سلطان العلما حضرت شیخ عز الدین بن عبد السلام کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ: ہاں! دیکھا ہے؛ کیوں صرف زمانے کا تقدم و تأخر ہے، اگر حضرت شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو ان کی خصوصیات کے حامل ہونے کی وجہ سے ان کے ہی مرتبے میں ہوتے، اور آپ کے تذکرے بھی انہیں کی طرح مدوّنوں کئے جاتے، اسی وجہ سے میں خیال کرتا ہوں کہ گویا حافظ ابنِ حجر اور شیخ تقی الدین اور سلطان العلما کا آج ہی انتقال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ بہت سے اہلِ علم غیر متورّع ہوتے ہیں، اور بہت سے درویش غیر عالم ہوتے ہیں، اور بہت سے ایسے دیکھے کہ بہ یک وقت عالم بھی اور بزرگ بھی؛ لیکن اخلاقِ محمدی پر پورے نہیں اترتے، حالاں کہ جس طرح دوسرے محرّمات سے نہ بچنا خلافِ ورع ہے، دنیا کو ستانا اور بداخلاقی سے پیش آنا بھی تو ورع کے خلاف ہے؛ چنانچہ حضرت کے کریمانہ اخلاق، عزیز الوجود خصائل اور شگفتہ مزاج سے سب ہی واقف ہیں، اور پھر یہ کہ فرض کرو کوئی علم، ورع، اخلاق سب ہی کو جمع کرے؛ لیکن اس پرنورانی صورت کہاں سے لے آئے، وہ تو قبضے کی چیز ہی نہیں ہے، حالاں کہ یہ بھی خدا کا بہت بڑا انعام ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام سب حسین ووجیہ ہوئے ہیں، ان کے چہروں کو دیکھتے ہی ان کے صدق وصفا اور اخلاص کا یقین ہو جاتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ میں یہ چیز بھی بہ درجۂ اتم موجود تھی۔ جلسوں، مناظروں میں اور

****

ریلوں میں سفر کرتے وقت جہاں آپ کے علم وفضل کا غیر معمولی اثر ورعب پڑتا تھا، وہاں آپ کے منور چہرے کا بھی ہر کافر ومشرک کے دل پر نمایاں اثر ہوتا تھا، کسی نے سچ کہا ہے:

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكِرٍ اَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِي وَاحِدٍ

شروع عمر میں آپ کی توجہ تصوّف کی طرف کم تھی؛ لیکن آخر عمر میں اس کی طرف بھی بہت زیادہ انہماک ہو گیا تھا، عجیب عجیب حقائق بیان فرمایا کرتے تھے۔

مشکلات اور ہموم وغموم کا مقابلہ جس صبر واستقامت کے ساتھ کرتے تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا، ضبطِ نفس اور استقلالِ مزاج میں آپ کی نظیر مشکل سے ملے گی؛ چنانچہ دیوبند کے مناقشات میں ہم ان کے پہلے سے بہت زیادہ معتقد ہو گئے، سچ ہے:

اَلصَّدْرُ مَنْ يَلْقَى الْخُطُوْبَ بِصَدْرِهِ وَبِصَبْرِهِ وَبِحَمْدِهِ وَبِشُكْرِهِ

قوم کا حقیقی سردار وہ ہے جو آزمائشوں کو اپنے سینے میں چھپائے رکھے اور ان پر صبر کر کے اللہ کی حمد وثنا کرتا رہے۔ اسی طرح مولانا ممدوح نے اور بھی مناقب بیان فرمائے، اور اس ضمن میں آپ نے یہ اشعار بھی پڑھے تھے:

ہوئی مدّت کہ دنیا سے میرا دل اٹھ گیا لیکن
ہنوز ایک شعلۂ یاد رفتگاں دل سے اُٹھتا ہے
ہجومِ دَرد و غم اس دُردِ آہ سے ہے ثابت
ورودِ کار واں ہو تب دھواں منزل سے اٹھتا ہے
الٰہی ! فرقتِ مرحوم میں کیوں کر بسر ہوگی
نہ دل اٹھتا ہے الفت سے، نہ صدمہ دل سے اٹھتا ہے
ہمارے شعلۂ غم کا یقیں تم کو نہیں آتا
تمھیں کیوں کر دکھائیں دل میں بجھتا دل سے اٹھتا ہے

****

آپ کے بعد جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نے جو راندیر سے اسی جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے،مختصر؛مگر جامع تقریر فرمائی،جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی زندگی کے جستہ جستہ چند وقائع سنا کر اور آپ کے مناقب و مدائح بیان فرما کر اہلِ جلسہ کو ممنون ومتشکر بنایا۔

اس کے بعد جناب مہتمم صاحب نے تقریر فرمائی،جس میں آپ نے خصوصیت سے اپنے اس مبارک خواب کا ذکر فرمایا جو آپ نے ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ کو دیکھا تھا،اس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے علمِ حدیث کی خدمت کے لیے آپ کو اشارہ فرمایا تھا،اوراس کے بعد آپ نے جدوجہد کر کے جامعہ کی صورت میں علمِ حدیث وقرآن کی خدمت کی،اوراس کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ اور مولانا شبیر احمد و مولانا سراج احمد صاحب مدظلہم اور دوسرے اساتذہ کو جامعہ میں لائے۔

آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اعزّہ و پسماندگان کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور حضرت کے لئے دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ڈابھیل میں علماء وطلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ کے متعلق بلیغ انداز میں فرمایا تھا کہ:''بھائی!میں تو اتنا جانتا ہوں کہ صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا،(اس میں سے) یہ پیچھے رہ گئے تھے''۔

شہرت کے حامل دو اور تاریخی تعزیتی جلسے

شاہ صاحب کے اس عظیم سانحہ پر کوئی قابلِ ذکر اخبار ایسا نہ تھا جس نے سیاہ حرفوں میں یہ دل دوز خبریں شائع نہ کی ہوں،اور غیر منقسم ہندوستان کا کوئی مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں تعزیتی جلسے کے ساتھ قرآن خوانی نہ ہوئی ہو۔اُن جلسوں میں تین جلسے سب سے

****

زیادہ تاریخی اور شہرت کے حامل ہیں۔ایک جامعہ ڈابھیل کا،جس کی تفصیل رودادِ جامعہ کے حوالے سے اوپر آ گئی۔دوسرا جلسہ لاہور کا ہے۔جس میں علما وفضلا کے ساتھ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے اس شعر کے ساتھ تقریر شروع کی:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شاعرِ مشرق نے فرمایا تھا کہ:

''اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا،وہ صرف جامع العلوم قسم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہیں تھے؛ بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر بھی ان کی پوری نظر تھی۔میں نے جدید فقہ کی تدوین کے لئے ان کا انتخاب کیا تھا اور اس موضوع پر ان سے گفتگو بھی رہی۔جس طرز پر فقہ کی تدوین میرے پیشِ نظر تھی اس کے لئے مناسب شخصیت ان کے سوا عالمِ اسلام میں کوئی نہ تھی۔دیوبند سے علاحدگی کے بعد لاہور کے قیام کی تجویز میں نے ان کے سامنے رکھی جسے فی الجملہ مرحوم نے قبول بھی کر لیا تھا؛لیکن اہلِ گجرات کے اصرار پر آپ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت کی تکمیل بدقسمتی سے نہیں ہوسکی۔اب میں مایوس ہوں کہ اِس عظیم کام کے لئے کوئی شخصیت موزوں نظر نہیں آتی۔''

تیسرا تعزیتی جلسہ دارالعلوم دیوبند کا ہے، جو وفات کے اگلے دن صبح کو دارالحدیث کی وسیع عمارت میں منعقد ہوا،جس میں تمام اکابر دارالعلوم دیوبند کے ساتھ شیخ الاسلام والمسلمین مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریر فرمائی۔

****

مولانا نے اشک بار طلبہ سے فرمایا کہ:

’’اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں بڑے بڑے حادثے اور اہم شخصیتوں کی وفات کا حادثہ پیش آیا، سرورِ دو عالم ﷺ کی وفات اور خلفائے راشدین کی رحلت اسلام پر ایک ہائلہ عظیم تھا؛ لیکن اُس وقت بھی صبر سے کام لیا گیا، آپ بھی صبر سے کام لیں۔ بلاشبہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کی وفات سے علما وطلبہ یتیم ہوگئے۔ فضل وکمال، تبحرِ علمی، وسعتِ معلومات اور قوّتِ حافظہ میں آپ کی نظیر نہیں تھی۔ میں نے ہندوستان اور عالمِ اسلامی کے نامور علما کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی ہے؛ لیکن علامہ کشمیری مرحوم کی نظیر کہیں نہیں پائی۔‘‘

اسی سلسلے کا ایک بہت بڑا تعزیتی جلسہ وفات کے بعد آنے والے جمعہ کو جامع مسجد دہلی میں مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ) کی صدارت میں بھی منعقد ہوا، جس میں دیگر علما و فضلا کے علاوہ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ (م ۱۳۷۹ھ) نے شاہ صاحبؒ کی شان میں انتہائی بلیغ اور طویل تقریر فرمائی، جس کا ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے:

’’معزّز حاضرین! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے دوشنبہ کی شام کو دیوبند کی خاک میں کسی انسان کو دفن نہیں کیا ہے، بلکہ آپ نے ایک ایسے مکتبہ کو خاک میں ملایا ہے جس میں ہر فن کی بے شمار کتابیں الماریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے ایک ایسے کتب خانے کو زمین کی تہہ میں چھپا دیا ہے جس کی کتابیں احاطۂ احصار وشمار سے خارج تھیں۔ ہائے مسلمانوں کی بدقسمتی! ہائے قوم کی حرماں نصیبی! کیا چیز ان کے ہاتھ سے تلف ہوگئی!‘‘

****

تعزیتی مرثیے

آپؒ کی وفات پر آپ کے متوسلین ومسترشدین میں سے بے شمار اہلِ قلم اور ادیبوں نے عربی، اردو اور فارسی زبان میں مختلف مرثیے کہے ہیں، جن میں آپ کے فضل و کمال اور مختلف الجہات علمی وتحقیقی خدمات کے اعتراف کے ساتھ آپ کے امتیازی خصوصیات کا بھی ہر ایک نے اپنے اپنے انداز سے ذکر کیا ہے۔ چند مراثی کے نمونے ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں؛ تاکہ یہ مقالہ آپ کی سوانح کے اس گوشے سے تشنہ نہ رہے۔

چناں چہ عربی میں ایک مرثیہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (۱۳۱۸ھ =۱۹۰۰ء/ ۱۳۹۴ء=۱۹۷۴ء) نے لکھا، جس کا ہر مصرعہ زخمی قلب وجگر کی قاش ہے۔

چند ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں:

سَلاَمٌ عَلیٰ عِلْمِ الْکِتَابِ وَ سُنَّةٍ　　وَحَفْظٍ وَضَبْطٍ بَعْدَ شَیْخٍ مُبَجَّلِ
أُرِیْدُ بِهِ نُوْرَ الْهِدَایَةِ اَنْوَاراً　　کَبَدْرٍ مُبِیْنٍ فِي دُجَی اللَّیْلِ أَلْیَلِ
فَقَدْ کَانَ اِعْجَازاً لِدِیْنِ نَبِیِّنَا　　کَمِثْلِ الْبُخَارِيِّ أَوْ کَنَحْوِ ابْنِ حَنْبَلِ

ترجمہ: کتاب اور سنت کے علم پر اور حفظ اور ضبط پر شیخ محترم کے بعد الوداعی اور رخصتی سلام۔ شیخ محترم سے مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں جو بدرِ منیر کی طرح اندھیریوں میں ہدایت کے نور تھے۔ مولانا انور شاہ؛ بخاری اور احمد بن حنبل کی طرح ہمارے دینِ اسلام کا ایک معجزہ تھے۔

دوسرا طویل مرثیہ مولانا قاری محمد یامین صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے وجود میں آیا، جس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

****

خَطْبٌ أَلَمَّ عَلَى الْقُلُوْبِ كَبِيْرٌ	مِنْهُ الْكُبُوْدُ تَصَدَّعَتْ وَصُدُوْرُ
تَهْمِي الْجُفُوْنُ بِدَمْعِهَا وَدِمَائِهَا	فَكَأَنَّهَا وَبْلٌ يَصُوْبُ دَرُوْرُ
صِرْنَا كَمَغْشِيٍّ عَلَيْهِ تَفَجُّعاً	حَتَّى اسْتَوَتْ آصَالُنَا وَبُكُوْرُ

ترجمہ: رنج وغم کی خبر دل کو بہت گراں گزری، اِس خبر سے دل اور سینے چاک چاک ہوگئے۔ پلکیں آنسوؤں اور خون سے تر ہوگئیں، گویا موسلا دھار بارش ہے جو زور سے برس رہی ہے۔ رنج واندوہ سے ہم پر غشی اور بے ہوشی طاری ہوگئی، یہاں تک کہ دن اور رات ہمارے لئے برابر ہوگئے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے عربی میں مراثی لکھے، جن میں جناب مولانا میرک شاہ صاحب اندرابیؒ، مولانا محمد یوسف صاحب کامل پوریؒ اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ کے بھی مرثیے قابلِ ذکر ہیں۔

اسی طرح فارسی اور اردو میں بھی متعدد مرثیے لکھے، اردو کا ایک مرثیہ حضرت مولانا حافظ سیّد مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ کا بہ بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہے:

کیوں یہ چشم تر ہے چہرہ زرد ہے	لب پہ ہر دم کیوں یہ آہِ سرد ہے
یہ جگر میں دل میں کیسا درد ہے	کیوں سراپا رنج وغم ہر فرد ہے
نالہ و فریاد و زاری کس لئے	یہ جہاں کی اشک باری کس لئے
کیا کہوں کیوں چشمِ تر خوں بار ہے	کیا بتاؤں کیوں جگر افگار ہے

اولاد احفاد

پچھلے اوراق میں ہم نے پڑھا کہ آپ کا نکاح تقریباً چوالیس برس کی عمر

میں سنہ ۱۳۳۶ھ کے اواخر میں ہوا تھا، اور وفات ۳رصفر سنہ ۱۳۵۲ھ کو ہوئی۔ ان پندرہ سالوں میں آپؒ کے یہاں کل پانچ اولاد ہوئیں، جن میں تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں ان کے ترتیب وار اسما درج ذیل ہیں۔

(۱) عابدہ خاتون۔ شادی کے بعد پہلی ہی زچگی کے موقع پر ماہ رمضان میں چوبیس پچیس سال کی عمر کے درمیان وفات پا گئیں۔

(۲) مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر۔ سنہ ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے اور ۱۳ر ربیع الاول سنہ ۱۴۰۶ھ کو دیوبند ہی میں وفات پائی۔ بڑے مشہور اور نامور قلم کار تھے، ۳۲ سال تک دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونے والے اردو ماہنامہ ''رسالہ دارالعلوم'' میں ادارت کے فرائض انجام دیے۔ شاہ صاحب کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۲ رسال تھی۔ زندگی کے مختلف حصوں میں تین شادیاں کیں، جن سے چار فرزند اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

(۳) راشدہ خاتون۔ شاہ صاحبؒ کی وفات کے وقت بہت چھوٹی اور نو عمر تھیں، ان کا نکاح شاہ صاحب کے لائق و فائق شاگرد مولانا سیّد احمد رضا صاحب بجنوری (مرتّب ''انوارالباری'') سے ہوا، ان کے یہاں کل پانچ فرزند اور چار بچیاں ہیں۔

(۴) محمد اکبر شاہ مرحوم۔ یہ آپؒ کے اولاد میں سب سے محبوب فرزند تھے۔ بچپن ہی سے ان میں آثارِ سعادت نمایاں تھے، شعبۂ فارسی سے ہی اپنے اساتذہ کے ہر دل عزیز رہے۔ خوش نویس ایسے کہ اساتذہ ان کی لکھی ہوئی تحریریں بہ طور یادگار محفوظ

رکھا کرتے تھے۔اوائلِ شباب میں قدم رکھتے ہی اس دنیا سے چل بسے۔

(۵) مولانا انظر شاہ مسعودی۔ ۶ر دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء میں پیدائش اور ۶ر اپریل سنہ ۲۰۰۸ء میں تقریباً اسی سال کی عمر میں وفات ہے۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے بانیاں میں سے ہیں، اور ''جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند'' کے بانی ہیں۔ صاحبِ طرز ادیب تھے۔ کئی قلمی خدمات ان کی منظر عام پر آئیں۔ ان کی چھ بیٹیاں اور ایک بیٹا مولانا احمد خضر شاہ صاحب پسماندگان میں ہیں۔

اوصاف وشمائل

ڈابھیل کے تعزیتی جلسے میں علاّمہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا تھا (جیسا کہ ماقبل میں نقل بھی کیا جا چکا ہے) کہ: ''اور پھر یہ کہ فرض کرو کوئی علم، ورع، اخلاق سب ہی کو جمع کرے؛ لیکن اس پرنورانی صورت کہاں سے لے آئے، وہ تو قبضے کی چیز ہی نہیں ہے۔''

واقعی شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے کمال ظاہری و باطنی ہر دو حسن سے نوازا تھا۔ ہم نے تو شاہ صاحبؒ کو دیکھا نہیں ہے، جنھوں نے دیکھا ان ہی کی بات نقل کیے دیتے ہیں۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا انظر شاہ مسعودیؒ فرماتے ہیں کہ:

حسنِ سیرت کی دولتِ بے بہا سے انبیا علیہم السلام کو سرفراز کیا گیا اور ان کی حیاتِ طیّبہ کا یہ پہلو خاص طور پر ہمیشہ مؤثر رہا۔ خدا تعالیٰ نے حسنِ صورت کی یہ دولت مرحوم (شاہ صاحبؒ) کو بخوبی عنایت فرمائی تھی۔ اپنے خدّ وخال اور شکل وصورت کے اعتبار سے دل کشی اور دل ربائی کی انداز وادائیں، سپید وسرخ رنگ، متناسب اعضا، گداز

****

جسم، بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، نرم ونازک ہونٹ، بُرجی نما سر، جس پر ریشم سے زیادہ نرم بال، ستواں ناک، بڑے بڑے کان، قدرتی طور پر سرگیں آنکھیں، گنجان ڈاڑھی جس نے پورے چہرے کو گھیر رکھا تھا، چوڑا چکلا سینہ، ہاتھ لانبے، لیکن ہتھیلیاں چھوٹی پُر گوشت، رفتار سبک اور آں حضور ﷺ کی رفتار کا نمونہ، چلتے تو قدموں کی چاپ محسوس نہ ہوتی۔ اس حسین اور پرکشش جسم پر جب موسم سرما میں سبز عمامہ زیبِ سر اور سبز قبا زیب بدن کرتے تو ایک فرشتہ انسانوں کی اس دنیا میں چلتا پھرتا نظر آتا۔ عام لباس سپید اور سر پر کشمیری ٹوپی ہوتی۔ مرض کے غلبے کے باوجود خوبی و رعنائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مرض الوفات میں خون کا بڑا حصہ خارج ہو چکا تھا؛ لیکن جب غسل دیکر کفن پہنایا گیا تو دونوں رخسار گلاب کے پھول نظر آتے، ہزاروں انسانوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مغفور ومرحوم ہونے کی اسے ایک علامت قرار دی۔ حسن و جمال، تناسب اعضا، متوازن قد و قامت، پُر نور علم اور نور ایمان مستزاد تھا۔ معصومیت، دل نوازی اور دل ربائی ایک قدرتی اضافہ، یہ حسن اور کشش اس بلا کی مؤثر تھی کہ بعض غیر مسلم دیکھ کر بے اختیار ایمان لے آئے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں کہ: جب حضرت شاہ صاحبؒ لاہور تشریف لاتے تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس قیام فرماتے، محدثِ موصوف کے معمولات کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ ہم شمائلِ نبوی کی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ عام عادات، اطوار؛ بلکہ سر سے پاؤں تک سنتِ نبوی کا رنگ غالب تھا، روزانہ پانچ سو صفحات کا مطالعہ فرماتے، لیکن نہایت تعظیم اور ادب آپ پر غالب ہوتا تھا۔ یہی وہ

****

عاشقِ سنّت تھے جن کے متعلّق ڈاکٹر محمد اقبال نے فرمایا تھا:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ان ظاہری شمائلِ جلیلہ کے علاوہ خصائلِ حمیدہ سے بھی بھرپور تھے، آپ کے اوصاف کو اگر تفصیل سے لکھا جائے تو ہر ایک وصف کے لیے ایک مستقل باب یا رسالہ کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ اللہ تعالی نے ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ زہد وقناعت کا خوگر، خودداری و تواضع کا پیکر، حق اور صاف گو بنایا تھا۔ اساتذہ کا احترام، کتابوں کا ادب، شخصیات کی تعظیم اور طلبا پر شفقت و مہربانی آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ نیز علمی انہماک، علمی جامعیت، مختلف علوم وفنون میں دسترس، بلا کا بے نظیر حافظہ، ایسا کہ جوفن بھی آپ نے پڑھا وہ علمِ حضوری کی صورت میں آپ کے حافظے میں محفوظ رہتا۔ وسعت وسرعتِ مطالعہ ان پر مستزاد تھی۔

وفیات

(۱) جموں و کشمیر لداخ کے امیر تبلیغ جناب الحاج امیر احمد خان صاحب المعروف پرویز صاحب کی بڑی ہمشیرہ کا انتقال ہوگیا **إنا لله وإنا إليه راجعون**. اللہ تعالی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۲) دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ میں شعبۂ حفظ وناظرہ کے استاد قاری ضیاء الدین صاحب بانہالی کے چچا کا اچانک انتقال ہوگیا۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**. موصوف کام کے دوران ایک پہاڑ سے لڑھک گئے۔ کئی روز ہسپتال میں زیر علاج رہے لیکن وقت آخر آچکا تھا علاج کی کوشش بارآور نہ ہوسکی، بالآخر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ناظم دار العلوم رحیمیہ کی جانب سے استاذ دار العلوم رحیمیہ جناب قاری حسیب اللہ صاحب،

****

مفتی وسیم اکرم صاحب اور حافظ سجاد احمد صاحب تعزیت کے لئے وہاں تشریف لے گئے اللہ تعالی جنت نصیب فرمائے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۳) خانقاہ محمودیہ بانڈی پورہ کے قدیم رفیق جناب غلام رسول کمہار صاحب چرار شریف کے جواں سال بیٹے جناب محمد ارشد صاحب کا اچانک انتقال ہوگیا۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**. موصوف کچھ عرصہ قبل ہی انجینئرنگ کی تعلیم سے فراغت حاصل کرچکے تھے اور ابھی کام شروع نہیں کیا تھا۔ نماز جمعہ سے قبل جمعہ کی تیاری کرنے کے لئے نہایت اہتمام سے عادی تھے اس جمعہ کو بھی تیاری کے ارادہ سے چلے اسی دوران چکر آیا اور تھوڑی دیر میں روح پرواز کرگئی **إنا لله وإنا إليه راجعون**. لگتا ہے شاید ہاٹ اٹیک آگیا تھا۔ جب وقتِ موعود آتا ہے تو کوئی بھی سبب اس عالم فانی سے رخصت ہونے کا بہانہ بن جاتا ہے۔ **فإذا جاء أجلهم لايستأخرون ساعة ولايستقدمون**. (سورہ اعرف: آیت ۳۴)

ترجمہ: چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتے۔ (توضیح القرآن) اس اچانک حادثہ سے گھر والوں کا شدید متاثر ہونا ظاہری بات ہے۔ اللہ تعالی موصوف کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۴) دار العلوم رحیمیہ میں قدیم استاذ جو قدیم ترین بلکہ ابتدائے قیام کے وقت کے طالب علم ہیں، مولانا حافظ فیاض احمد شاہ القاسمی کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**. اللہ تعالی جنت الفردوس عطاء فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔

جملہ مرحومین کے لئے دار العلوم رحیمیہ میں دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے

****

اخبار دار العلوم

تعلیمی سال آخری منزل کی طرف

مدرارس اسلامیہ عربیہ میں تعلیمی سال شوال المکرّم میں شروع ہوتا ہے جب کہ امتحان ششماہی ربیع الاول میں منعقد کیا جاتا ہے۔امتحان ششماہی سے فارغ ہوتے ہی باقی ماندہ نصاب کی تکمیل اور سال کی آخری منزل کی تیاری ہوتی ہے۔ چنانچہ جملہ مدارس میں پوری توجہ اور تندہی کے ساتھ طلبہ واساتذہ کرام تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، دوسری جانب سے منتظمین امتحانات سالانہ کے لئے متفکر ہوجاتے ہیں، اور اس سلسلے میں ضروری امور انجام دینے کی تیاری کرتے ہیں۔ یہاں کشمیر میں ان مہینوں میں ساتھ ہی ساتھ چند سالوں سے موسم سرما کی بھی شروعات ہورہی ہے۔اس موسم میں دن چھوٹے اور راتیں طویل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے راتوں کو طلبہ واساتذہ کا مطالعہ، تکرار، سبق وآموختہ میں مشغول رہنا لازمی بن جاتا ہے اس مشغولیت سے اداروں میں گہما گہمی اور علمی چہل پہل رہتی ہے۔دارالعلوم رحیمیہ میں بھی یہی منظر ان ایام میں سامنے رہتا ہے۔

تدریب المعلمین

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیو بند کے ضابطہ کے مطابق اساتذۂ کرام کی تدریب کا اہم کام وقتاً فوقتاً انجام دیا جارہا ہے۔اس سال درجات عربی ابتدائی کے لئے تدریب کا پروگرام مؤرخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو دارالعلوم رحیمیہ میں انجام دیا گیا۔ مادر علمی دارالعلوم دیو بند سے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد مزمل صاحب بدایونی مدظلہ العالی کو اس تدریب کے لئے مہیا کیا گیا۔مولانا موصوف نے نہایت ہی دل نشین پیرایہ میں صرف، نحو، ادب، فقہ اور منطق کے فنون میں ابتدائی درجات یعنی اول،

****

دوم، سوم عربی میں تدریس کی ذمہ داری انجام دینے والے حضرات اساتذہ کرام کی تدریب کی۔متعدد نشستوں میں منعقد ہونے والی اس تدریب میں جموں وکشمیر کے تمام ہی مدارس سے تشریف لائے ہوئے اساتذہ کرام نے نہایت ذوق وشوق سے حصہ لیا اور آخری نشست میں کافی اضلاع کے منتخب اساتذہ کرام نے نہایت قیمتی تاثرات کا اظہار کرکے بار بار ایسی مجالس کے انعقاد کی ضرورت کا تقاضا پیش کیا۔

واضح رہے کہ سال گزشتہ اساتذۂ حفظ وناظرہ (قرآن کریم) کی تدریب مسلسل تین یوم اور عربی درجات کی دو یوم منعقد کی گئی تھی۔اس طرح سے یہ سلسلہ اصلاح تعلیم کے لئے جاری ہے جس سے تعلیم میں ترقی ہوتی ہے۔

رابطہ مدارس کی امتحانی نشست

جموں وکشمیر میں رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیو بند سے مربوط مدارس میں سال رواں ۴۷۔۱۴۴۶ھ کے امتحان سالانہ کو مناسب ترتیب سے انجام دینے کے لئے مجلس عاملہ اور ذمہ داران کا ایک طویل مشورہ منعقد ہوا، جس میں مرکزی رابطہ دارالعلوم دیو بند کی ہدایات کے مطابق امتحانی بورڈ اور ذمہ داران امتحانات طے کئے گئے۔اس سال امتحانات کے عمومی ناظم مولانا مفتی سجاد حسین صاحب مظاہری قرار پائے جبکہ نائب ناظم برائے شعبہ عربی حضرت مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب قاسمی نائب ناظم برائے شعبہ جات حفظ، ناظرہ وتجوید قرات حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مفتاحی متعین کئے گئے۔ان کے معاونین مشوروں سے طے پائے اور ضروری انتظامات کی ذمہ داریاں بھی تقسیم کی گئیں۔ اللہ تعالی تمام امور کو سہولت و عافیت کے ساتھ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی نصرت شامل حال فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

****